



پنچ تنتر کی کہانیاں

تیسرا حصہ

پنچ تنتر کی کہانیاں

تیسرا حصّہ

مولّف : شیوکمار

مصوّر : دیوبرت مکرجی

مترجم : اطہر پرویز



چلڈرن بک ٹرسٹ

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

کہانیاں

انگریزی ایڈیشن : 1966
اُردو ایڈیشن : 2002
تعدادِ اشاعت : 1100

قیمت : 30.00 روپے

This Urdu edition is published by the National Council for Promotion of Urdu Language, M/o. Human Resource Development, Department of Secondary & Higher Education, Govt. of India West Block-I, R. K. Puram, New Delhi, by special arrangement with Children's Book Trust, New Delhi and printed at Indraprastha Press (CBT), New Delhi.



پیش لفظ

پنچ تنتر کی کہانیاں بہت پرانی ہیں اور یہ بنیادی طور پر سنسکرت میں لکھی گئی تھیں۔ روایت ہے کہ ایک راجا کے تین ناسمجھ بیٹے تھے۔ راجا نے ایک عالم وشنوشرمن کو انھیں تعلیم دینے کے لیے مقرر کیا۔ وشنوشرمن نے انھیں زندگی میں خوش رہنے اور کامیابی حاصل کرنے کا فن سکھایا۔

پنچ کا مطلب ہے پانچ اور تنتر کا مطلب ہے اصول، اخلاقیات یعنی خوداعتمادی، استقامت، لگن، دوستی اور حصولِ تعلیم۔

پنچ تنتر میں جانوروں اور چڑیوں کی کہانیوں کے توسط سے علمِ اخلاقیات (زندگی میں باتمیز اخلاقی چال چلن) کی تعلیم دی گئی۔ بچے یہ کہانیاں بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔

شیر کے بچّے

بہت دنوں کی بات ہے کہ کسی گھنے جنگل میں ایک شیر اور شیرنی رہتے تھے۔ شیر اور شیرنی کے دو ننھّے منّے بچّے تھے۔ ان بچّوں کو دیکھ کر شیر اور شیرنی بہت خوش ہوتے تھے۔

ایک دن شیر نے شیرنی سے کہا۔ "جب تک ہمارے بچّے بڑے نہیں ہوجاتے اس وقت تک تم گھر میں ہی رہنا۔ میں باہر جاکر شکار کیا کروں گا۔"

اس طرح شیر روزانہ شکار کرنے جاتا اور شیرنی کے لئے اس کی پوری خوراک لے کر آتا۔ ایک دن شیر کو کوئی شکار نہیں ملا۔





شام کو جب وہ خالی ہاتھ لوٹ رہا تھا تو راستے میں اسے ایک گیدڑ کا بچّہ نظر آیا۔ وہ اس کو اٹھاکر شیرنی کے پاس لے آیا۔

"آج مجھے اس گیدڑ کے بچّے کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔" شیر نے کہا۔ "تم اسے مار کھاؤ۔ یہ ابھی چھوٹا بچّہ ہے، اس لئے اسے مارنا مجھے اچھا نہیں لگا۔"

اِس بات پر شیرنی بولی۔ "بچّہ سمجھ کر تم خود اسے مارنا پسند نہیں کرتے تب مَیں اِسے کیسے مار سکتی ہوں؟ مَیں تو دو بچّوں کی ماں ہوں۔ مَیں اِس پر کوئی آنچ نہیں آنے



دوں گی ۔ آج سے یہ میرا تیسرا بیٹا ہے ۔"

شیرنی گیدڑ کے بچّے کی دیکھ بھال کرنے لگی اور اسے بھی اپنے بچّوں کی طرح پالا ۔ اس طرح تینوں بچّے ساتھ ساتھ پل کر بڑے ہوئے ۔

تینوں بچّے ہمیشہ ایک ساتھ رہتے ۔ ایک ساتھ کھیلا کودا کرتے ۔ کبھی کبھی وہ گھر سے دور نکل جاتے اور جب کسی جانور پر نظر پڑتی تو اس کا پیچھا کرنے لگتے ۔

ایک دن کہیں سے ایک ہاتھی گھومتا ہوا اس جنگل میں آ پہنچا ۔ شیر کے بچّوں نے جیسے ہی ہاتھی کی طرف دیکھا وہ اس کا پیچھا کرنے لگے اور اس ہاتھی کو مارنے کی فکر میں لگ گئے لیکن گیدڑ کا بچّہ ہاتھی کو دیکھ کر گھبرا گیا ۔



"یہ تو ہاتھی ہے۔" اس نے چلاّ کر کہا۔ "اس کے پاس مت جانا۔ تمہیں مار ڈالے گا۔" یہ کہہ کر وہ بھاگنے لگا۔

شیر کے بچّوں نے جب اپنے بھائی کو بھاگتے دیکھا تو وہ بھی ہمت ہار گئے اور ہاتھی کا پیچھا چھوڑ کر گھر آگئے۔

گھر پہنچ کر انہوں نے یہ بات اپنے ماں باپ کو بتائی اور کہا کہ جب وہ ہاتھی کا پیچھا کرنے لگے تو ان کا بھائی گھبرا گیا، اور ساتھ دینے کے بجائے بھاگنے لگا۔

گیدڑ کے بچّے نے بھی یہ بات سُن لی۔ اسے بہت بُرا لگا۔ وہ زور زور سے چلاّ کر کہنے لگا۔ "میں ڈرپوک نہیں ہوں۔ اگر تم بہادر ہو تو میں بھی بہادر ہوں۔ تم نے مجھے سمجھا کیا ہے۔" وہ چیخا۔ "ذرا باہر نکل کر تو دیکھو پھر بتاؤں گا کہ میں کیا ہوں۔"

شیرنی نے گیدڑ کو الگ بُلا کر کہا۔ "دیکھو، تمہیں اپنے بھائیوں سے اس طرح



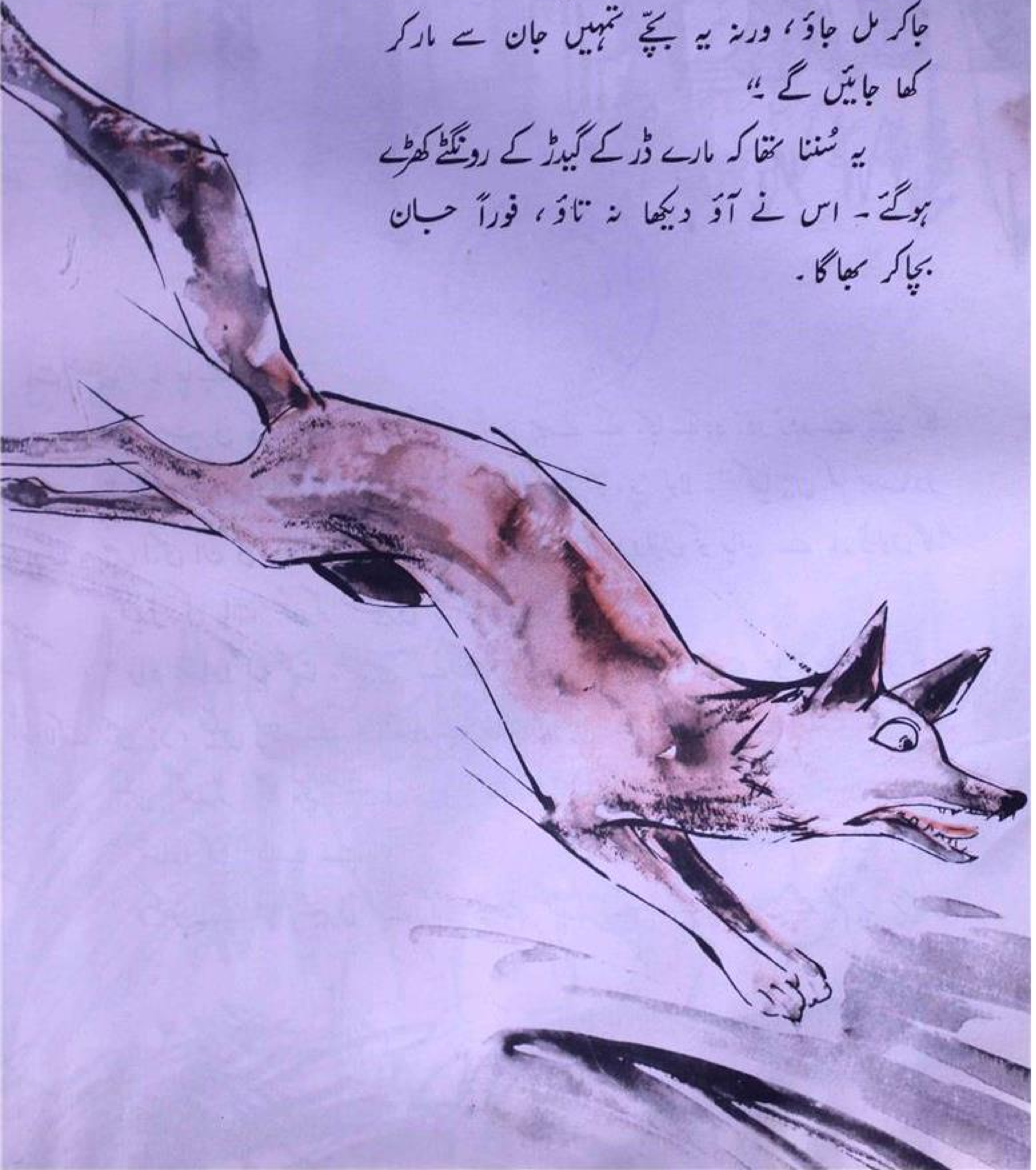




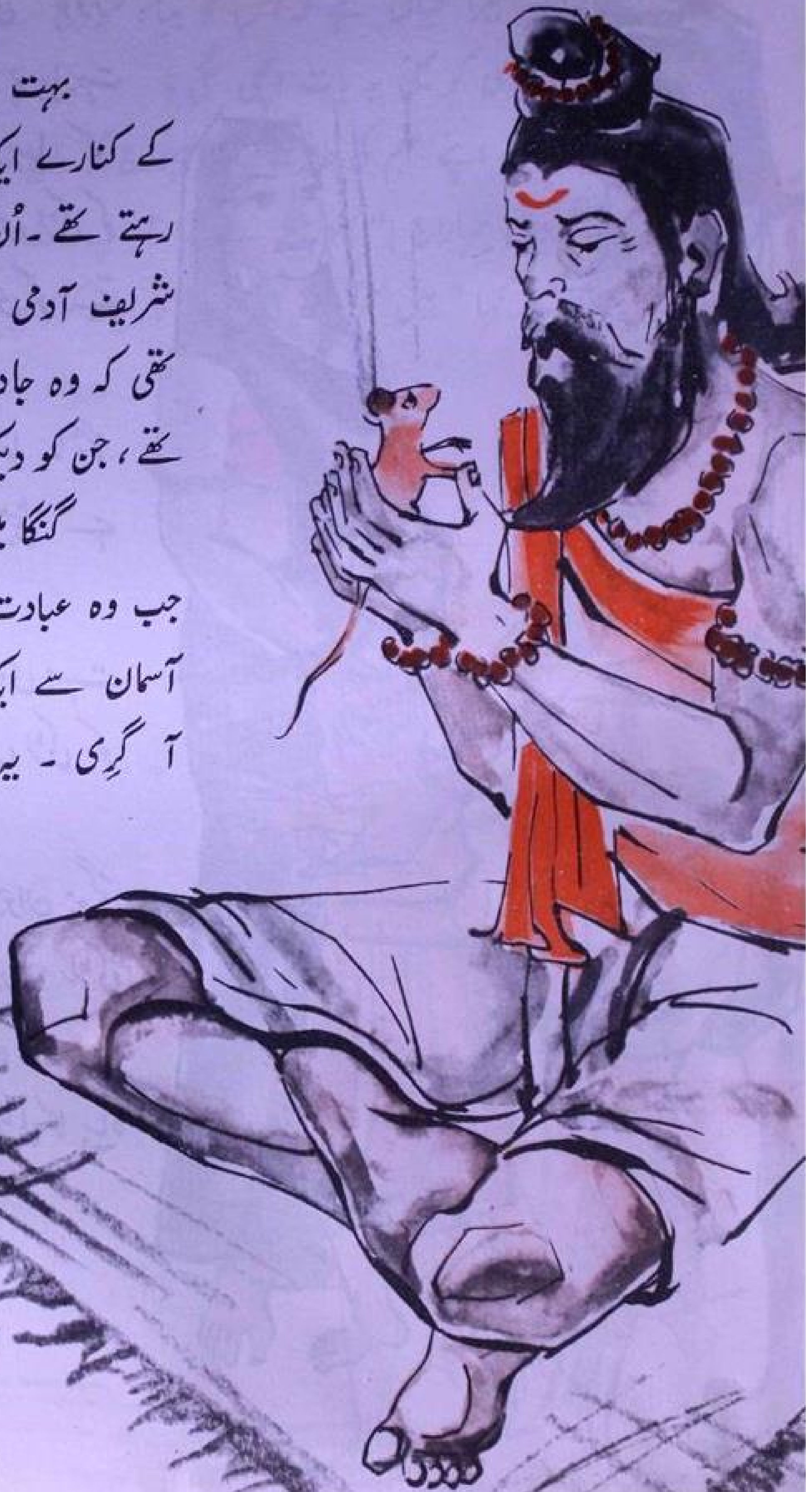
بات نہیں کرنا چاہئے۔"
لیکن شیرنی کی اس بات کو سُن کر چُپ ہونے کے بجائے وہ زور زور سے چیخنے لگا۔
"انہیں میرا مذاق اُڑانے کا کیا حق ہے"، گیدڑ کا بچّہ بولا۔ "کیا میں کم بہادر ہوں۔ میں ابھی ان کی ساری ہیکڑی بھُلادوں گا۔ میں دونوں کو جان سے مار ڈالوں گا۔"
گیدڑ کی بات سُن کر شیرنی مُسکرانے لگی۔
"واہ تمہارا کیا کہنا۔" اس نے کہا "تم بڑے خوبصورت ہو، بہادر ہو اور چالاک بھی ہو، لیکن پتہ ہے؟ تمہارے خاندان میں ہاتھی نہیں مارے جاتے۔"
لیکن گیدڑ کا بچّہ شیرنی کی بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔
"تمہارا کیا مطلب ہے؟"
"دیکھو بچّے" شیرنی نے کہا "تم گیدڑ کے بچّے ہو۔ مجھے تم پر ترس

آگیا تھا۔ اس لئے مَیں نے تم کو اپنے بچّوں کی طرح پالا۔ میرے بچّوں کو پتہ نہیں کہ تم گیدڑ ہو۔ اب تم چپ چاپ کِھسک جاؤ اور اپنے ساتھیوں میں جاکر مل جاؤ، ورنہ یہ بچّے تمہیں جان سے مار کر کھا جائیں گے۔"

یہ سُننا تھا کہ مارے ڈر کے گیدڑ کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً جان بچاکر بھاگا۔



چوہیا جو لڑکی بنی



بہت پُرانے زمانے کی بات ہے۔ گنگا کے کنارے ایک آشرم تھا۔ وہاں رشی مُنی رہتے تھے۔ اُن کے گُرو بہت بڑے عالم اور شریف آدمی تھے۔ اُن کے اندر ایسی طاقت تھی کہ وہ جادو سے ایسے ایسے کام کرتے تھے، جن کو دیکھ کر آدمی دنگ رہ جاتے تھے۔

گنگا میں نہانے کے بعد ایک دن جب وہ عبادت کر رہے تھے تو اچانک آسمان سے ایک چوہیا اُن کے ہاتھوں پر آ گرِی۔ یہ چوہیا باز کے پنجوں سے



چھوٹ کر گری تھی۔ گرو نے چوہیا کی طرف دیکھا، اُس کا رنگ بھورا، دُم لمبی اور آنکھیں چمکدار تھیں۔ گرُو جی کو وہ چوہیا بہت اچھی لگی۔ انہوں نے منتر پڑھ کر چوہیا کو ایک خوبصورت لڑکی بنادیا۔ وہ اس لڑکی کو اپنے گھر لے گئے اور اسے اپنی بیوی کو دیتے ہوئے کہا۔

"تم ہمیشہ ایک بچّے کی دعا مانگا کرتی تھیں۔ لو اس کو لو، یہ ہماری بیٹی ہے اسے بڑے پیار اور جتن سے پالو۔"

اس لڑکی کو پاکر گرُو جی کی بیوی بہت خوش ہوئی۔ اس نے کہا۔ "میں اس لڑکی کو راجکماری کی طرح پالوں گی۔"

کئی برس کے بعد وہ لڑکی جوان ہوگئی۔ وہ اتنی خوبصورت تھی کہ ایسی خوبصورت لڑکی کسی نے نہیں دیکھی تھی۔ ایک دن گرُو اور اس کی بیوی نے سوچا کہ اب اس لڑکی کا بیاہ کر دینا چاہیئے۔

"ہماری بیٹی کا بیاہ، دنیا کے سب سے بڑے آدمی کے بیٹے سے ہونا چاہیئے۔"
گُروجی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کا بیاہ سورج سے کرنا چاہیئے۔"
اس کی بیوی کو بھی یہ بات اچھی لگی۔
گُروجی نے اپنے علم کی طاقت سے سورج کو بلایا۔ سورج زمین پر اُتر آیا۔
"اے گُروجی مہاراج!" سورج نے کہا "آپ نے مجھے کیوں بُلایا ہے؟"
گُروجی نے کہا "میں تم سے اپنی بیٹی کا بیاہ کرنا چاہتا ہوں۔ میری بیٹی بہت خوبصورت





اور نیک ہے۔ تم اس کو پاکر بہت خوش ہوگے۔"

اس وقت وہ خوبصورت لڑکی پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ سورج کے جواب دینے سے پہلے ناک بھوں چڑھاکر بولی "میں اسے اپنا شوہر نہیں بنا سکتی۔ اس کا بدن کتنا گرم ہے۔ میں تو اس سے بھی اچھے آدمی سے بیاہ کروں گی۔"

یہ سن کر گروجی کو بڑا دکھ ہوا۔ انہوں نے سورج سے پوچھا "کیا اس دنیا میں کوئی تم سے بھی بڑا ہے؟"

"ہاں ہے۔" سورج نے کہا "مجھ سے بڑا بادل ہے۔ وہ میرے چہرے کو ڈھک لیتا ہے تو میری روشنی آگے نہیں بڑھ پاتی۔"

تب گروجی نے بادل کو پکارا۔ ان کے پکارتے ہی بادل زمین پر اُتر آیا۔

"اے گروجی! آپ نے مجھے کیوں بُلایا ہے؟" بادل نے آتے ہی پوچھا۔

لیکن اس سے پہلے کہ گروجی کچھ بولیں وہ لڑکی بول پڑی۔

"نہیں —— نہیں —— میں اس دُھندلے، کالے کلوٹے بادل سے شادی نہیں کروں گی۔ مجھے تو اس سے اچھا شوہر چاہیئے۔"

گروجی نے بادل سے پوچھا۔ "کیا اس دنیا میں تم سے بھی بڑا کوئی ہے؟"

"ہاں ہے۔" بادل نے کہا "مجھ سے بڑا اور طاقتور طوفان ہے۔ وہ جہاں چاہے مجھے بھگا سکتا ہے اور میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

پھر تو گروجی نے طوفان کو بُلایا۔ ان کے حکم سے طوفان فوراً نیچے آگیا۔

"اے گروجی۔" طوفان نے کہا۔ "آپ نے مجھے کیوں بُلایا ہے؟"

"میں تم سے اپنی بیٹی کا بیاہ کرنا چاہتا ہوں۔" گرُوجی نے کہا۔

لیکن اس لڑکی نے چلاّ کر کہا۔ "نہیں نہیں، میں اس بھگوڑے سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ یہ تو پَل بھر بھی چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔"

گرُوجی نے طوفان سے پوچھا۔ "کیا اس دنیا میں تم سے بڑا بھی کوئی ہے؟"

"ہاں ہے۔" طوفان نے کہا "مجھ سے بڑا تو پہاڑ ہے۔ وہ اتنا اونچا اور طاقتور ہے کہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو سکتا۔"





تب گُرو جی نے پہاڑ کو بُلایا۔ پہاڑ دوڑا ہوا آیا۔

"اے گُرو جی! آپ نے مجھے کیوں بُلایا ہے؟" پہاڑ نے پوچھا۔

لیکن پہاڑ کو دیکھتے ہی وہ لڑکی دوڑتی ہوئی سامنے آئی اور پیر پٹک کر بولی "نہیں —— میں اس سے بیاہ نہیں کروں گی۔ یہ بہت اونچا، روکھا اور سخت ہے۔ میں اس کے ساتھ شادی نہیں کرسکتی۔ مجھے تو اس سے بھی اچھّا

شوہر چاہیئے۔"
گروجی نے پہاڑ سے پوچھا " اس دنیا میں تم سے بھی بڑا کوئی ہے ؟"
"ہاں ہے۔" پہاڑ نے کہا " مجھ سے بڑا چوہا ہے۔ یہ سچ ہے کہ میں بہت بڑا، مضبوط اور سخت ہوں لیکن چوہا دیکھنے میں تو چھوٹا ہے لیکن وہ مجھے کاٹ کاٹ کر میرے اندر بِل بنالیتا ہے۔"
تب گُرو جی نے چوہے کو آواز دی۔ وہ فوراً پُھدکتا ہوا آگے آیا۔
اس لڑکی نے جیسے ہی چوہے کو دیکھا وہ مارے خوشی کے اُچھلنے لگی۔
اس نے کہا " میں تو بس اسی سے شادی کروں گی۔ یہی ہے وہ جو میرے لائق ہے۔ میں پیار بھی کروں گی تو اس سے، شادی بھی کروں گی تو اِس سے۔"
گروجی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اس لڑکی کو پھر چوہیا بنادیا اور چوہے کے ساتھ اس کا بیاہ کردیا۔





وفادار نیولا

کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اس کا گھر گاؤں کے ایک کونے میں تھا۔ اس کے گھر میں وہ خود تھا، اس کی بیوی اور ایک چھوٹا سا بچّہ —— کسان اور اس کی بیوی اپنے بچّے سے بہت پیار کرتے تھے۔ ایک روز شام کے وقت کسان جب لوٹ کر گھر آیا تو اپنے ساتھ ایک نیولے کا بچّہ بھی لے آیا۔ بیوی نے پوچھا تو اس نے جواب دیا۔ "ہم اسے پالیں گے اور ہمارا بچّہ اس کے ساتھ





کھیلے گا۔"

ننھا نیولا اور کسان کا لڑکا دونوں دن بہ دن بڑے ہوتے گئے لیکن پانچ چھ مہینے کے بعد بھی کسان کا بچّہ بڑا ہونے کے بعد بھی بچّہ ہی رہا۔ اور ننھا نیولا پوری طرح جوان ہوگیا۔ یہ نیولا بڑا پیارا تھا۔ اس کے بال بڑے چمکدار تھے اور بڑی بڑی آنکھیں تھیں اور ایک بڑی بالدار دُم تھی۔

ایک دن کسان کی بیوی کو کچھ سامان خریدنے کے لئے بازار جانا تھا۔ اس نے بچّے کو دودھ پلاکر پالنے میں سُلا دیا اور ایک بڑی سی ٹوکری لے کر بازار جانے کے لئے تیار ہوگئی۔

اُس نے جاتے وقت کسان سے کہا "میں تھوڑی دیر کے لئے باہر جا رہی ہوں۔ بچّہ پالنے میں اکیلا سو رہا ہے۔ تم ذرا اس پر نظر رکھنا۔ مجھے اس نیولے سے بڑا ڈر لگتا ہے۔"

"اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟" کسان نے کہا۔ "ہمارا نیولا تو ایسا ہی پیارا ہے جیسا

ہمارا پیارا بچّہ۔"

کسان کی بیوی نے کچھ نہیں کہا، اور جواب دیے بغیر چلی گئی۔

اس دن کسان کو بھی گھر میں کوئی کام نہیں تھا۔ وہ اپنی بیوی کی بات بھول کر گھومنے چلا گیا۔ راستے میں اسے دو چار یار دوست مل گئے۔ ان کے ساتھ باتوں میں وہ ایسا کھویا کہ گھنٹوں گھر واپس نہیں لوٹا۔

اُدھر کسان کی بیوی ٹوکری بھر سامان خرید کر گھر پہنچی۔ جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوئی اس نے دیکھا کہ دروازے کے پاس نیولا اس کا



انتظار کر رہا ہے۔ کسان کی بیوی کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف دوڑا۔ مگر جب کسان کی بیوی نے نیولے کو دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔

"ہائے باپ رے باپ - خون،" وہ بڑے زور سے چلّائی۔

نیولے کے مُنھ اور پنجوں پر تازہ تازہ لال خون چمک رہا تھا۔

"ہائے تونے میرے بچّے کو مارا ہے،" کسان کی بیوی نے چیخ کر کہا اور بغیر کچھ سوچے سمجھے ہی اس نے سامان سے لدی ٹوکری نیولے پر دے ماری اور تیزی کے ساتھ بچّے کے



پالنے کی طرف دوڑی۔ بچّہ پالنے میں لیٹا، گہری نیند سو رہا تھا۔ مگر اس کے پالنے کے بالکل نیچے خون سے لت پت ایک زہریلا سانپ مرا پڑا تھا۔

سانپ کو دیکھتے ہی کسان کی بیوی فوراً سمجھ گئی کہ نیولے کے مُنھ میں سانپ کا خون لگا تھا۔ وہ نیولے کو پکارتی ہوئی باہر بھاگی۔ "ہائے رام۔ یہ میں نے کیا کیا" اس نے روتے ہوئے کہا۔ "ارے تونے تو سانپ کو مار کر میرے بچّے کی جان بچائی تھی۔"

لیکن نیولا چُپ چاپ پڑا رہا۔ وہ کچھ بھی نہ سُن سکا۔ سامان سے لدی ہوئی ٹوکری اس کے سر پر گری۔ جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ کسان کی بیوی کو اپنی جلد بازی کا اتنا افسوس ہوا کہ وہ رونے لگی۔ اور جب اس نے نیچے جُھک کر دیکھا تو اس کو اور زیادہ دُکھ ہوا کیوں کہ اس کا وفادار نیولا مر چکا تھا۔







نیکی کر کنویں میں ڈال

بہت پُرانی بات ہے۔ کسی گاؤں میں ایک برہمن رہتا تھا۔ وہ اتنا غریب تھا کہ بیچارہ اپنے گھر والوں کے لئے دو وقت کے کھانے کا بھی انتظام نہیں کرسکتا تھا۔ کبھی کبھی تو فاقے کی نوبت آجاتی تھی۔ اگر اس برہمن کو کوئی ڈھنگ کا کام مل جاتا تو اس کی غریبی دور ہوسکتی تھی۔ مگر اسے کوئی کام نہیں ملتا تھا۔

آخر اس غریبی سے تنگ آکر اُس نے پردیس جانے کا ارادہ کیا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ پردیس میں اسے ضرور کوئی نہ کوئی اچھا کام ملے گا۔

اگلے دن برہمن بہت تڑکے اٹھا اور اپنے بچّوں کے جاگنے سے پہلے ہی چُپ چاپ گھر سے باہر نکل گیا۔ مگر اس کو یہ بھی تو نہیں معلوم تھا کہ کہاں جانا ہے۔ وہ تو بس ناک کی سیدھ میں سیدھا چلا گیا۔

چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچا۔ پیدل چلتے چلتے وہ تھک کر چُور ہوگیا تھا اور بھوک پیاس کے مارے اس کا بُرا حال تھا۔ بھوک تو وہ کسی نہ کسی طرح برداشت کر رہا تھا لیکن پانی نہ ملنے کی وجہ سے اس کی حالت بہت خراب ہوگئی تھی۔ آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک کنواں نظر آیا۔ اس نے جلدی جلدی قدم بڑھائے اور کنویں کے پاس آکر اندر جھانکا۔ دیکھتا کیا ہے کہ کنویں کے اندر ایک بھیڑیا، ایک بندر، ایک سانپ اور ایک آدمی گرے پڑے ہیں۔



"او میرے اچھے انسان" برہمن کو دیکھتے ہی بھیڑیئے نے کہا۔ "مہربانی کر کے مجھے اس کنویں سے باہر نکال دو۔ میرے بیوی بچے گھر پر میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ تمہارا بھلا ہوگا۔ مجھ پر رحم کرو اور مجھے کسی طرح باہر کھینچ لو۔"

"تم کو باہر کھینچ لوں؟" برہمن نے کہا۔ "نا بابا! نا۔ اگر میں نے تمہیں باہر نکال لیا تو کیا یقین کہ تم مجھے مار نہیں ڈالو گے۔"

"بھلے مانس" بھیڑیئے نے کہا۔ "مجھ سے کیا ڈرنا؟ میں تو ویسے ہی مصیبت میں پڑا ہوں۔ میں کیا کسی کو ماروں گا۔ بھائی مجھ پر ترس کھاؤ اور مجھے بچالو۔"

برہمن نے دل ہی دل میں سوچا "میں اسے نکال ہی کیوں نہ دوں۔ یہ تو بڑے ثواب کا کام ہے اور دوسروں کے ساتھ نیکی کرنا تو ویسے بھی اچھا ہوتا ہے۔"

اس نے کنویں کی جگت پر چڑھ کر بھیڑیئے کو باہر کھینچ لیا۔

بھیڑیئے نے باہر نکلتے ہی برہمن کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "اس طرف تم کو جو پہاڑ نظر آرہے ہیں، میں وہیں ایک غار میں رہتا ہوں۔ اگر تم کبھی مجھ سے ملنے آؤ تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ میں تمہارے کسی کام بھی آجاؤں۔"

اسی وقت کنویں کے اندر سے بندر کی آواز سنائی دی۔

"اے برہمن دیوتا!" بندر نے کہا۔ "مہربانی کر کے مجھے بھی باہر نکال لو۔"

برہمن نے آگے بڑھ کر بندر کو بھی کھینچ لیا۔

بندر نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "اگر آپ کو کبھی کچھ کھانے کی ضرورت ہو تو مجھے یاد کیجیے گا۔ میں آپ کو طرح طرح کے پھل کھلا سکتا ہوں۔ میرا گھر سامنے کی پہاڑی کے بالکل نیچے ہے۔"

اتنے میں کنویں کے اندر سے سانپ کی آواز سُنائی دی۔

"مہربانی کر کے مجھے بھی بچالو"، سانپ نے پکار کر کہا۔

"تمہیں؟ تم تو سانپ ہو۔ کہیں مجھے ڈس نہ لو"، برہمن نے کہا۔

"ناممکن"، سانپ نے کہا۔ "اپنے بچانے والے کو بھی کوئی کاٹ سکتا ہے۔ تمہاری بڑی مہربانی ہوگی، مجھے بھی کنویں سے باہر نکال دو۔"

برہمن نے سانپ کو باہر کھینچا۔

"اس مہربانی کے لئے شکریہ۔ اگر تم کو کبھی کسی مصیبت کا سامنا ہو تو مجھے پکارنا۔ میں جہاں بھی ہوں گا تمہارے پاس پہنچوں گا تمہاری مدد کروں گا۔"

بھیڑیئے، بندر اور سانپ نے برہمن سے رُخصت ہونے کی اجازت لی لیکن جانے سے پہلے انہوں نے برہمن کو اس آدمی کے بارے میں بتایا جو کنویں کے اندر تھا۔





"اس آدمی کی ذرا بھی مدد نہ کرنا"
ایک نے کہا۔
"اگر کروگے" دوسرا بولا۔ "تم خود مصیبت میں پڑ جاؤگے"

جب وہ تینوں چلے گئے تو اس آدمی نے جو کنویں کے اندر گِرا ہوا تھا، چیخنا چلّانا شروع کردیا اور گڑگڑا کر کنویں سے باہر نکالنے کے لئے کہنے لگا۔

برہمن کو اس پر بھی رحم آگیا۔ اس نے اسے بھی کنویں سے باہر نکال دیا۔

"بہت بہت شکریہ" آدمی نے باہر آکر کہا۔ "میں ایک غریب سُنار ہوں اور پاس ہی کے شہر میں رہتا ہوں۔ کبھی میرے لائق کوئی کام ہو تو ضرور یاد کرنا"

اتنا کہہ کر وہ آدمی اپنے راستے پر چل دیا۔

برہمن بھی اپنے سفر پر چل پڑا۔ وہ کئی دنوں تک مارا مارا پھرتا رہا۔ مگر تقدیر نے

اس کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ مایوس ہو کر سوچنے لگا کہ اب خودکشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ ایک دن وہ سچ مچ ندی میں ڈوب مرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک اسے بھیڑیا، بندر، سانپ اور سُنار کے وعدے یاد آگئے۔ اس نے سوچا کیوں نہ ایک بار اُن سے بھی مِل کر دیکھ لیا جائے۔

سب سے پہلے وہ بندر کے پاس گیا۔ بندر نے بہت خوش ہو کر برہمن کا استقبال کیا۔ اس کے کھانے کے لئے آم، انگور، انناس، انار اور طرح طرح کے دوسرے پھلوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ برہمن نے بڑا مزا لے لے کر وہ پھل کھائے۔

برہمن نے کھا پی کر بندر کا شکریہ ادا کیا۔

بندر نے کہا "میرے گھر میں آپ کا ہمیشہ استقبال ہوگا۔"





اب برہمن بھیڑیئے کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ اس نے جب اُس کا پتہ پوچھا تو بندر نے بھیڑیئے کا پتہ بتادیا۔

برہمن کو دیکھتے ہی بھیڑیا اس کے استقبال کے لئے دوڑ پڑا۔ وہ اپنے بچانے والے کو نہیں بھولا تھا۔ اس نے برہمن کو ایک خوبصورت ہار اور کئی سونے کے زیور

دیئے۔ وہ گہنے اسے راجکمار سے ملے تھے۔ یہ زیور پاکر برہمن بہت خوش ہوا اور بھیڑیئے کا شکریہ ادا کرکے واپس لوٹ آیا۔

اس نے راستے میں سوچا کہ میرا سفر تو کامیاب ہو ہی گیا۔ اب میں ان زیوروں کو بیچ کر گھر لوٹ جاؤں گا۔ جب میں واپس جاؤں گا تو میری بیوی کتنی خوش ہوگی۔ زیوروں کے بیچنے سے بہت روپیہ ملے گا اور تب ہم سب خوش رہیں گے۔ ہاں گہنوں کو بیچے تو کہاں بیچے۔ اکدم سے اسے سُنار کا خیال آیا۔ وہاں سے وہ سیدھا سُنار کے گھر کی طرف چل دیا۔





برہمن کو دیکھ کر سُنار نے بھی ظاہر کیا کہ جیسے وہ اس کے آنے سے بہت خوش ہوا۔

سُنار نے پوچھا۔" دوست کیسے آنا ہوا ؟"

" میں تمہیں ذرا سی تکلیف دینے آیا ہوں۔" برہمن نے کہا۔" میرے پاس کچھ گہنے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم انہیں بِکوادو۔"

سُنار نے ہار اور سارے گہنے ہاتھ میں لے کر بڑی ہوشیاری سے انہیں دیکھا۔" اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔" وہ گہنوں کو دیکھتا ہوا بولا۔" میں ضرور تمہاری مدد کروں گا۔ لیکن اس سے پہلے میں ایک اور سُنار کی رائے لینا چاہتا ہوں۔ تم کچھ دیر آرام کرو۔ میں ابھی اس کی رائے لے کر آتا ہوں۔"

سُنار نے اپنی بیوی کو بلایا اور کہا کہ " یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ان کی خوب آؤ بھگت کرو۔" اور خود گہنے لے کر باہر چلا گیا۔

گہنے لے کر وہ سیدھا راج محل میں پہنچا۔ اس نے راجہ سے ملاقات کی اور برہمن کے گہنے دکھائے۔

" مہاراج !" سنار نے گہنے دکھا کر کہا۔" یہ وہی گہنے ہیں جو راجکمار کے واسطے میں نے خود بنائے تھے۔ ایک آدمی انہیں بیچنے کے لئے میرے پاس لایا ہے۔ میں اس کو گھر میں بِٹھا کر آپ کو دکھانے کے لئے آپ کے پاس دوڑا آیا ہوں۔"

" کون ہے وہ ؟" راجا نے غصّے میں چیخ کر کہا۔" اس بدمعاش نے میرے بیٹے کو مار کر یہ گہنے چھینے ہیں۔"



"مہاراج!" سُنار نے کہا۔" وہ ایک برہمن ہے اور ابھی میرے ہی گھر میں بیٹھا ہے۔"

راجا غصّے سے گلا پھاڑ کر چلاّیا۔ اس کی آواز سُنتے ہی کئی آدمی بھاگے بھاگے آئے۔" اس سنار کے گھر میں جو آدمی ہے اُسے ابھی اور اسی دَم گرفتار کرکے جیل میں ڈال دو۔" راجا نے اپنے افسروں کو حکم دیا۔" اس کو کیا سزا دی جائے گی، اس کا فیصلہ کل کیا جائے گا۔"

راجا کے افسروں نے برہمن کو پکڑ کر جیل میں بند کردیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ برہمن کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

"تم نے مجھے کیوں گرفتار کیا ہے؟" اس نے ایک پہرے دار سے پوچھا۔

"کیوں کہ تم نے راجکمار کو مار کر اس کے زیور لُوٹے ہیں۔" پہرے دار نے جواب دیا۔" اور جانتے ہو اس کی سزا





کیا ہے ؟ اس کی سزا ہے موت ۔ تم کو پھانسی پر چڑھایا جائے گا۔"

پہرے دار کی بات سنتے ہی برہمن گھبرا گیا۔ وہ دنگ رہ گیا کہ اس پر قتل کا جھوٹا الزام کیسے لگا۔ مگر بے چارہ لاچار اور مجبور تھا۔ کرتا تو کیا کرتا۔ وہاں اس کی مدد کرنے والا کوئی بھی نہ تھا۔

اس مصیبت کے وقت برہمن کو سانپ کا وعدہ یاد آیا۔ اس نے سانپ کو پکارا۔ جیسے ہی اس نے آواز دی، ویسے ہی سانپ اس کے سامنے آگیا۔

"کہو دوست" سانپ نے کہا۔ "میں تمہاری کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"

"مجھے بچاؤ" برہمن نے کہا" ان لوگوں نے مجھے جیل میں ٹھونس دیا ہے اور ایسے معاملے میں مجھے پھانسا ہے جس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے اور اب مجھے پھانسی پر چڑھانے والے ہیں۔"

پھر برہمن نے گہنے حاصل کرنے اور وہاں سے گرفتار ہونے تک کا سارا قصہ کہہ سُنایا۔ برہمن کا سارا حال سُن کر پہلے تو سانپ کچھ سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

"مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے۔" سانپ نے کچھ سوچ کر کہا۔

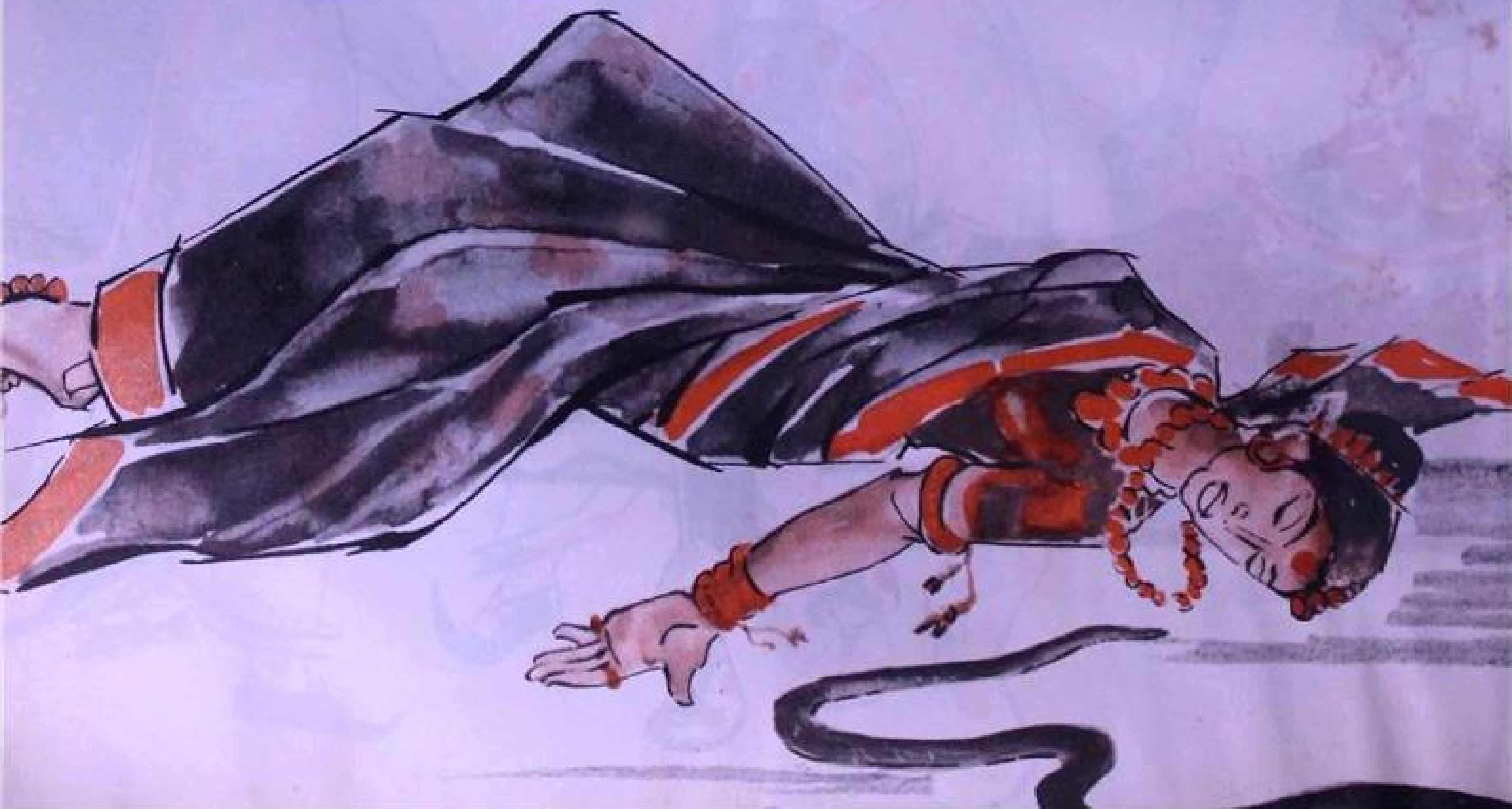
"کیا ترکیب ہے؟" برہمن نے جلدی سے پوچھا۔

"میں چپکے سے رانی کے کمرے میں رینگتا ہوا جاؤں گا اور نظر بچا کر رانی کو کاٹ لوں گا۔" سانپ نے کہا "میرے زہر سے رانی بیہوش ہو جائے گی۔ پھر کوئی کیسی ہی ترکیب کیوں نہ کرے اسے ہوش نہ آئے گا۔"

"پھر کیا ہوگا؟" برہمن نے پوچھا۔

"پھر میرے زہر کا اثر اس وقت تک رہے گا، جب تک تم اپنے ہاتھوں سے رانی کو نہ چھوؤ گے۔" سانپ نے برہمن کو سمجھایا۔

برہمن کی کوٹھری سے نکل کر سانپ محل کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر وہ چپکے سے رانی کے کمرے میں گھسا اور اسے کاٹ کر نکل بھاگا۔ سانپ کے کاٹتے ہی



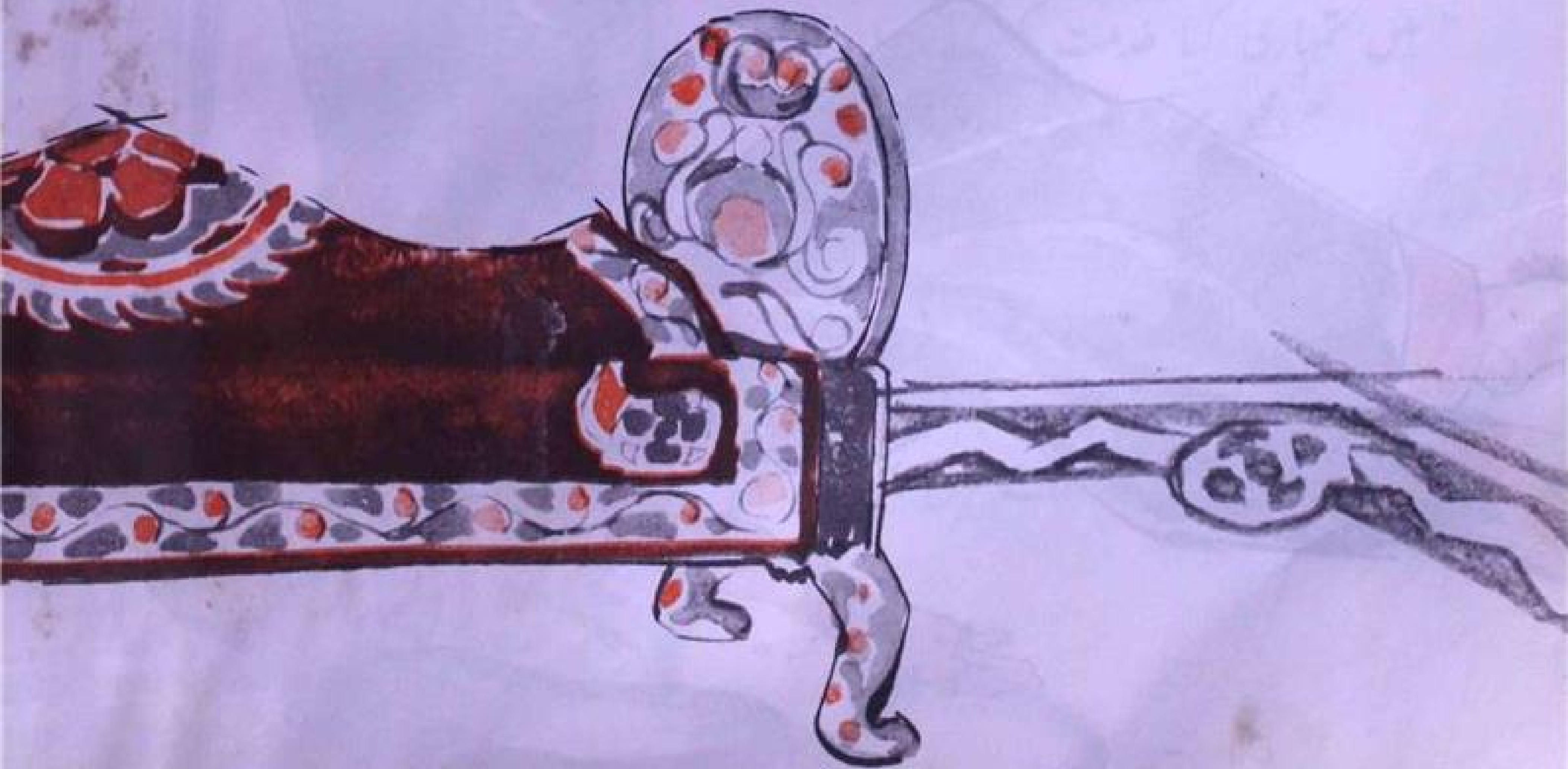
رانی بیہوش ہوکر گر پڑی۔

رانی کے بیہوش ہوتے ہی محل میں تہلکا مچ گیا۔ ذرا سی دیر میں یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ اس خبر کو سُن کر لوگوں کو بھی بہت افسوس ہوا۔ ہر جگہ یہی چرچا ہو رہا تھا کہ رانی کو سانپ نے کاٹ کھایا ہے۔

ہر جگہ کے وید حکیموں نے علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بڑے بڑے عالموں نے اپنا سارا علم آزمایا، جھاڑ پھونک کرنے والے منتر پڑھتے پڑھتے تھک گئے مگر کوئی بھی رانی کو ہوش میں نہ لاسکا۔

آخر راجا نے اعلان کیا کہ جو کوئی رانی کو اچھا کردے گا، اسے مُنھ مانگا انعام دے دیا جائے گا۔ راجا کے آدمی گلیوں، کوچوں، بازاروں، شہروں، گاؤں غرض جگہ جگہ جاکر اعلان کرنے لگے۔

اس اعلان کے ہوتے ہی سیکڑوں آدمی آئے۔ انہوں نے طرح طرح کی ترکیبیں کیں لیکن رانی ہوش میں نہ آئی۔



ادھر جیل کی کوٹھری میں برہمن نے بھی راجا کا اعلان سُنا۔
"مجھے راجا کے پاس لے چلو۔" اس نے پہرے داروں سے کہا۔ "میں رانی کو ہوش میں لا سکتا ہوں۔"

پہرے داروں نے برہمن کو راجا کے سامنے پیش کر دیا۔ راجا برہمن کو رانی کے پاس لے کر آگیا۔ اس وقت رانی اپنے بستر پر مُردے کی طرح پڑی ہوئی تھی۔ سانپ کے زہر سے اس کا سارا بدن نیلا پڑ گیا تھا۔





برہمن آہستہ آہستہ رانی کے پاس پہنچا۔ اس نے اپنا ہاتھ رانی کے ماتھے پر رکھا۔ برہمن کے چھوتے ہی رانی اُٹھ بیٹھی۔ اس کے بدن کا سارا نیلاپن غائب ہوگیا اور اس کا چہرہ پہلے کی طرح دمکنے لگا۔

رانی کے اچھے ہونے کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی اور ہر طرف خوشی منائی جانے لگی۔ راجا کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔

"تم کون ہو؟" راجا نے برہمن سے پوچھا "تمہیں جیل میں کیوں رکھا گیا ہے؟"

"مہاراج" برہمن نے جواب دیا۔ "مجھے ایک ایسے جُرم میں پکڑ کر جیل میں ڈال دیا گیا ہے جو میں نے کیا ہی نہیں۔"

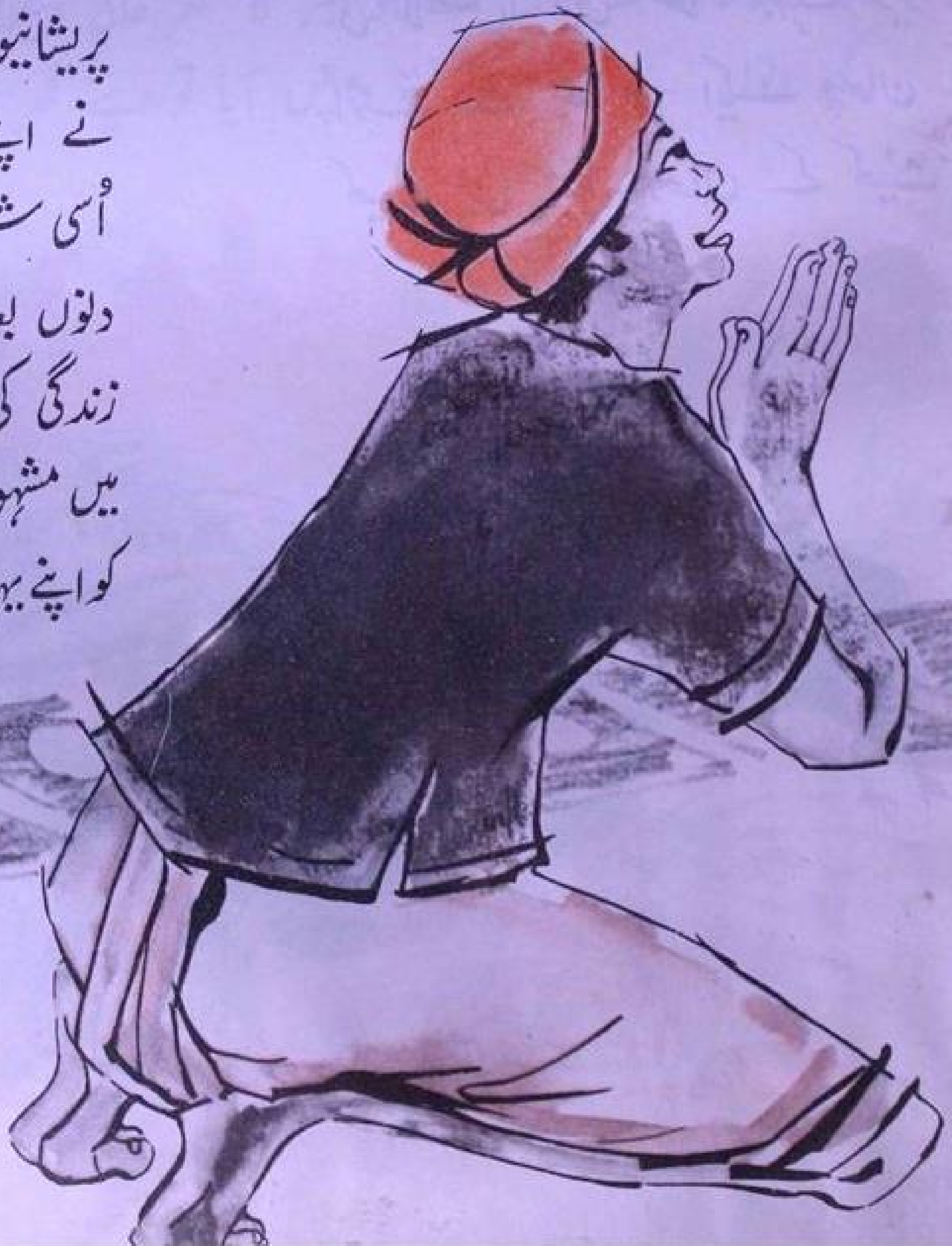
"تم کیا کہہ رہے ہو؟" راجا نے چونکتے ہوئے کہا۔

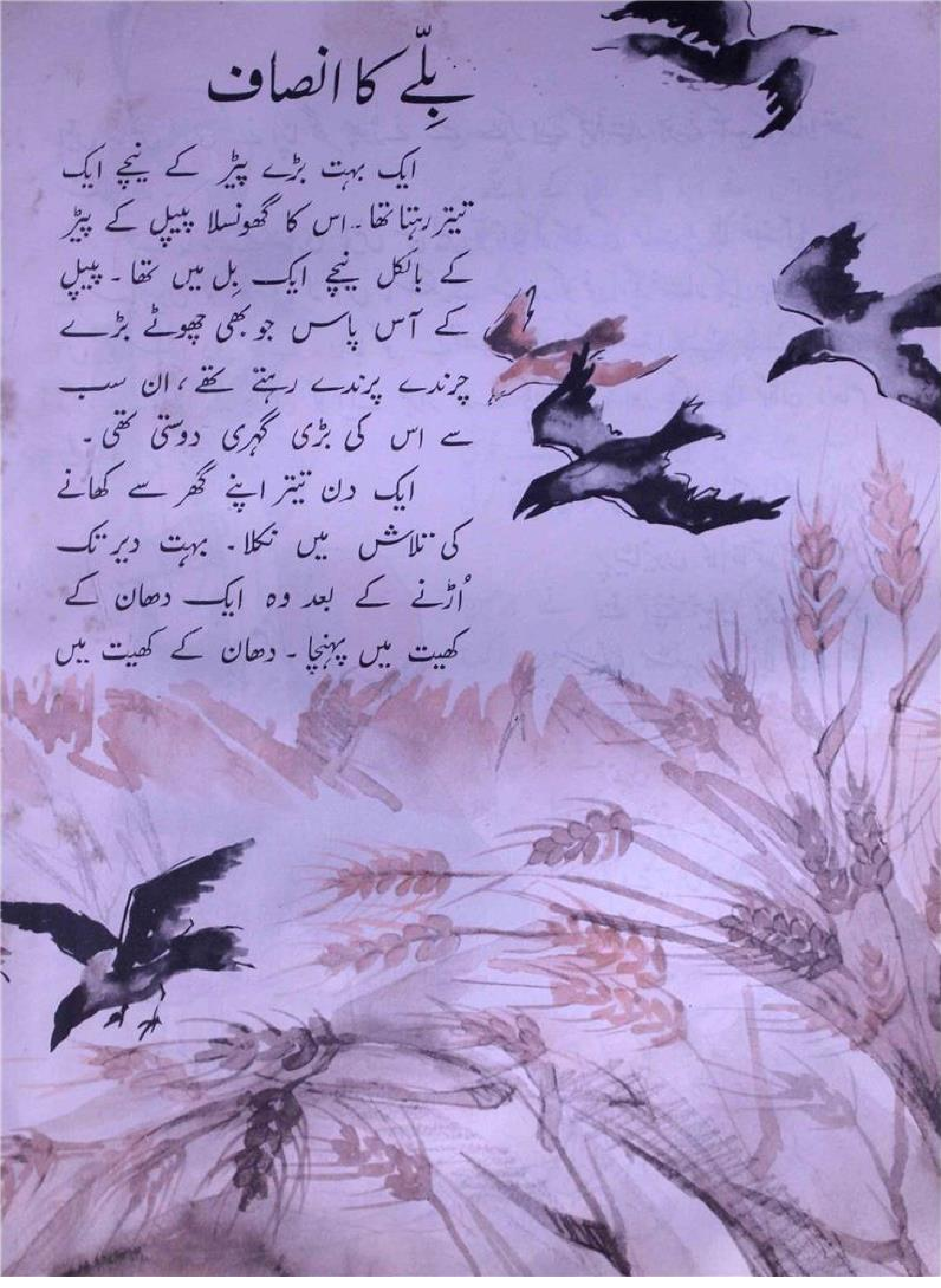
اس پر برہمن نے راجا کو ساری

باتیں بتائیں۔ اس نے اپنا گھر چھوڑنے سے لے کر اپنے گرفتار ہونے تک کا سارا قصّہ سُنا ڈالا۔

جب راجا نے ساری باتیں سُن لیں تو راجا کو سُنار کی حرکت پر بڑا غصّہ آیا۔ اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس ناشکرے سُنار کو فوراً گرفتار کیا جائے اور اس کو سزا دی جائے۔ راجا کو بے قصور برہمن کو سزا دیئے جانے کا بڑا دُکھ ہوا۔ اس نے برہمن کو ایک ہزار سونے کی مہریں اور ایک بڑا مکان انعام کے طور پر دیا۔

برہمن کے دُکھوں اور پریشانیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ اس نے اپنے بیوی بچّوں کو بھی اُسی شہر میں بُلا لیا۔ کچھ دنوں بعد وہ اپنی سیدھی سادی زندگی کی بدولت سارے دیس میں مشہور ہوگیا اور راجا نے اس کو اپنے یہاں کا خاص درباری بنالیا۔





بلّے کا انصاف

ایک بہت بڑے پیڑ کے نیچے ایک تیتر رہتا تھا۔ اس کا گھونسلا پیپل کے پیڑ کے بالکل نیچے ایک بِل میں تھا۔ پیپل کے آس پاس جو بھی چھوٹے بڑے چرندے پرندے رہتے تھے، ان سب سے اس کی بڑی گہری دوستی تھی۔

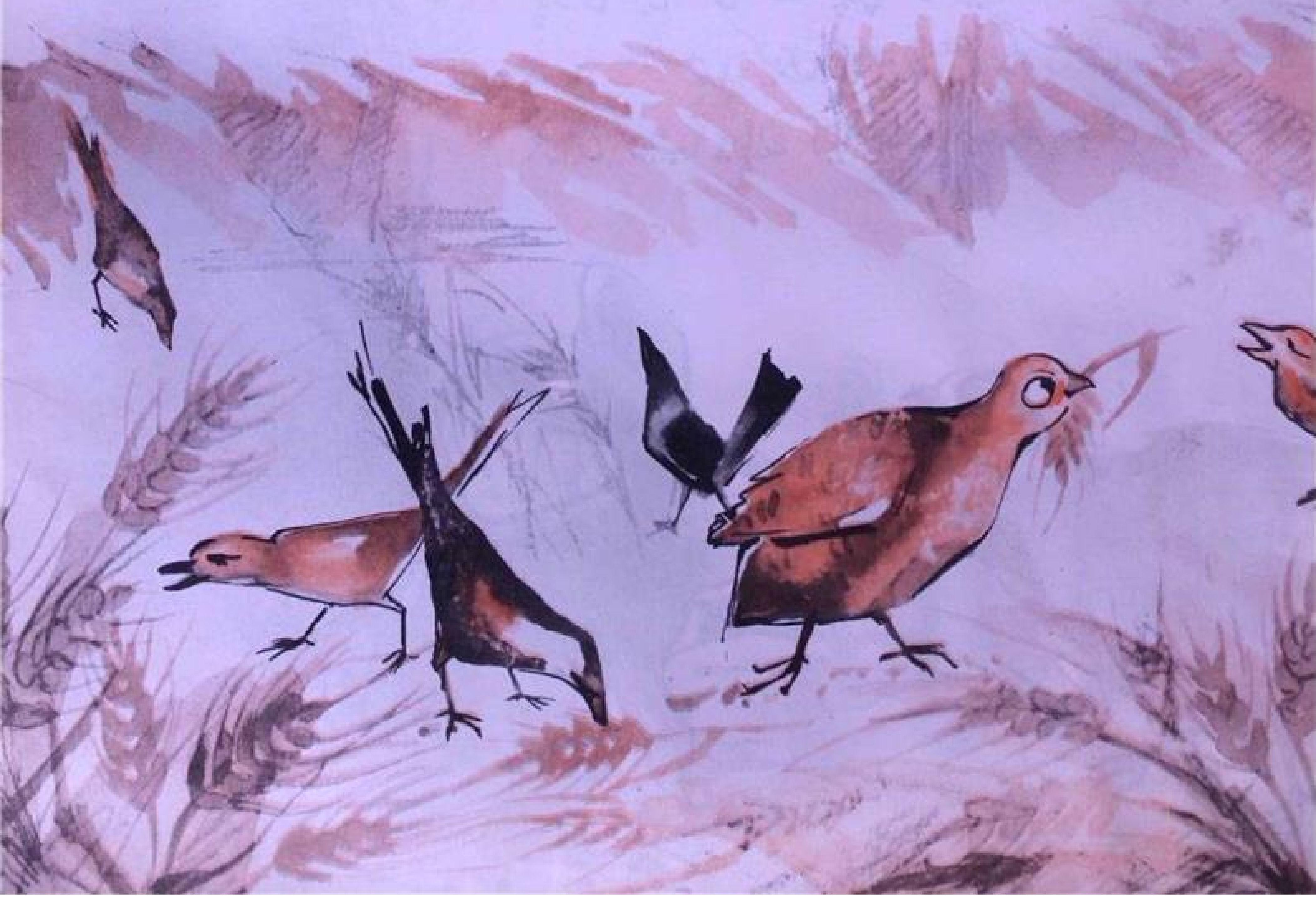
ایک دن تیتر اپنے گھر سے کھانے کی تلاش میں نکلا۔ بہت دیر تک اُڑنے کے بعد وہ ایک دھان کے کھیت میں پہنچا۔ دھان کے کھیت میں

فصل تیار ہونے والی تھی۔ وہاں کے پودوں میں چاول کے دانے تیّار ہوچکے تھے اور چاول تو تیتر کا مَن بھاتا کھانا تھا۔

اتنا بہت سا کھانا دیکھ کر وہ اسی کھیت میں رہنے لگا اور خوب جی بھر کر چاول کھاتا رہا۔ وہاں اس نے اور دوسرے پرندوں کو اپنا دوست بنالیا، اور اُن کے ساتھ ٹھاٹ باٹ سے رہنے لگا۔ اس دن وہ اپنے گھر واپس نہیں گیا۔ دوسرے دن بھی نہیں لوٹا ـــــ اور تیسرے چوتھے دن بھی وہیں رہا۔ اس طرح اس کھیت میں اس کو کئی دن گذر گئے۔

جن دنوں تیتر باہر تھا، اسی زمانے میں ایک خرگوش آیا۔ اس کے رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس نے جو تیتر کا گھر خالی دیکھا تو وہیں رہنے لگا۔

کچھ دنوں کے بعد جب تیتر واپس آیا تو اپنے گھر میں خرگوش کو گھُسا ہوا



دیکھ کر بڑا ناراض ہوا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے پوچھا "یہ تو میرا گھر ہے۔"

"تمہارا گھر" خرگوش نے کہا "جب تھا تب رہا ہوگا۔ اب تو یہ میرا گھر ہے۔ میں یہاں ایک دو نہیں کئی دنوں سے رہتا ہوں۔"

"لیکن تم کیسے رہتے ہو" تیتر نے کہا "یہ گھر میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ میں تو زندگی بھر اسی گھر میں رہا ہوں۔ تم کو یقین نہ آتا ہو تو تم پڑوس میں کسی سے پوچھ کر دیکھ لو۔"

"میں کیوں پوچھوں" خرگوش نے کہا "میں جب یہاں آیا تھا تو یہ گھر بالکل خالی تھا۔



اس وقت سے میں اس میں رہنے لگا ہوں۔ اب یہ مکان میرا ہے۔ تمہیں یقین نہ آتا ہو تو تم کسی پڑوسی سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔"

"یہ سب بکواس ہے" تیتر نے چلّا کر کہا "میں کچھ دنوں کے لئے باہر چلا گیا تھا، اب واپس آگیا ہوں۔ فوراً میرا گھر چھوڑو اور یہاں سے مُنھ کالا کرکے بھاگ جاؤ۔"

"یہ کبھی نہیں ہوسکتا" خرگوش نے کہا "میں اس میں رہوں گا اور اسی طرح ٹھاٹ سے رہوں گا۔"

اس طرح خرگوش اور تیتر میں جھگڑا ہونے لگا۔ بات بہت بڑھ گئی۔ اُن کی تُوتُو میں میں سُن کر



دوسرے جانور جمع ہو گئے۔ انہوں نے تیتر کی بات سُنی۔ پھر خرگوش کا جواب بھی سُنا مگر کوئی بھی یہ طے نہ کر سکا کہ آخر یہ مکان کس کا ہے۔ انہوں نے سمجھایا کہ اس معاملے کو حل کرنے کے لئے کسی قانون جاننے والے کے پاس جانا چاہیئے۔ اس طرح تیتر اور خرگوش نے طے کیا کہ اب یہ معاملہ کسی پنچ کے سامنے رکھا جائے۔

مگر ایسی اُلجھی ہوئی قانونی گُتھّی کو سُلجھانے کے لئے تو کسی بڑے



لائق پنچ کی ضرورت تھی - ایسے پنچ کی تلاش
میں وہ گھنٹوں میلوں تک بھٹکتے رہے۔
آخر وہ گنگا کے کنارے پہنچے - وہاں
کچھ دور پر ایک بڑا سا بِلّا کھڑا دِکھائی دیا۔
بِلّے پر نظر پڑتے ہی ان کے قدم جہاں تھے



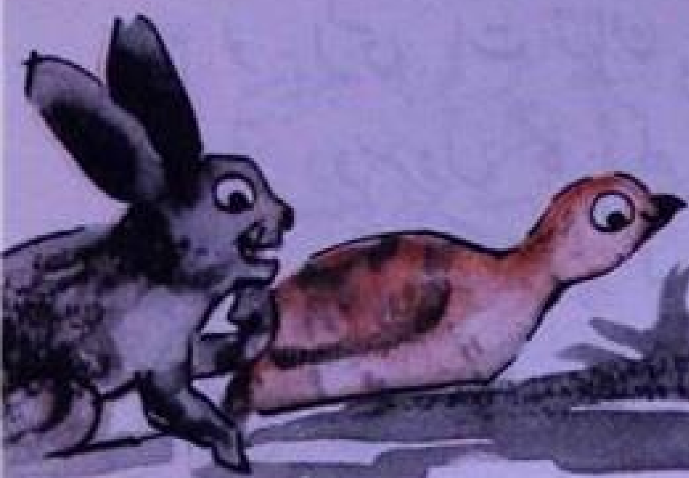




وہیں رہ گئے۔ دونوں اچھی طرح جانتے تھے کہ بِلّا کتنا خطرناک جانور ہوتا ہے۔

وہ بِلّا بڑا گھاگ تھا۔ خرگوش اور تیتر کو جیسے ہی اس نے اپنی طرف آتے دیکھا، اس نے فوراً اپنی آنکھیں موند لیں۔ اس نے ہاتھ میں ایک مالا اٹھالی اور اپنے پچھلے پیروں پر کھڑے ہوکر رام نام جپنا شروع کردیا۔

خرگوش اور تیتر نے جو اس طرح بِلّے کو پوجا پاٹھ کرتے دیکھا تو چکّر میں پڑگئے۔ ایسا سادھو مہاتما بِلّا انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ دونوں نے دل ہی دل میں سوچا —— اہا —— یہ بِلّا تو بڑا اچھا ہے، جو اس



طرح بھگوان کا نام جپ رہا ہے۔

"میرے خیال میں اس بلّے کو ہی اپنا پنچ بنا لینا چاہیے۔" خرگوش نے کہا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" تیتر نے کہا "لیکن ہمیں ذرا چوکنّا اور ہوشیار رہنا چاہیۓ۔ آخر یہ ہمیشہ سے ہمارا دشمن بھی تو رہا ہے۔"

جب تک بِلّے نے اپنی پوجا پاٹھ ختم نہیں کی یہ دونوں چُپ چاپ کھڑے رہے۔ پوجا ختم کرتے ہی بِلّے نے دھیرے سے اپنی آنکھیں کھولیں اور ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"اے مہاپُرش" تیتر نے بِلّے سے کہا۔ "میرے اور خرگوش کے بیچ ایک چھوٹا سا جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ مگر معاملہ قانونی ہے۔ آپ مہربانی کر کے اس جھگڑے کا فیصلہ کر دیجیۓ۔ ہم میں سے جو بھی غلطی پر ہوگا اسے آپ سزا دے سکتے ہیں۔"

"رام رام ــــ کیسی بات کرتے
ہو بھائی۔" بِلّے نے کہا "بھگوان کا
نام لو۔ ایسی بات زبان سے مت نکالو
میں تو دوسروں کا دُکھ کبھی نہیں دیکھ
سکتا اور تم کہتے ہو کہ ہم میں سے ایک
کو سزا دے دینا ــــ ہرے کرشن ہرے
کرشن ــــ جو دوسروں کو دکھ دیتا ہے،
بھگوان اس سے ناراض ہوجاتا ہے۔ خیر
ہٹاؤ ان باتوں کو۔ اپنی کہو۔ تمہارا کیا
جھگڑا ہے مجھے بتاؤ۔ میں فیصلہ کردوں گا
کہ غلطی کس کی ہے۔"

تب تیتر نے کہا۔" قصّہ یہ ہے کہ میں کچھ دن باہر رہنے کے بعد گھر لوٹا تو دیکھتا کیا ہوں کہ اس خرگوش نے میرے گھر پر قبضہ جمالیا ہے۔"

"تمہارا گھر کیسا ؟" خرگوش نے چِلاّ کر کہا۔" وہ گھر میرا ہے۔"

"شانتی ــــ شانتی۔" بِلّے نے کہا۔" ذرا مجھے پورا قصّہ تو سُن لینے دو۔"

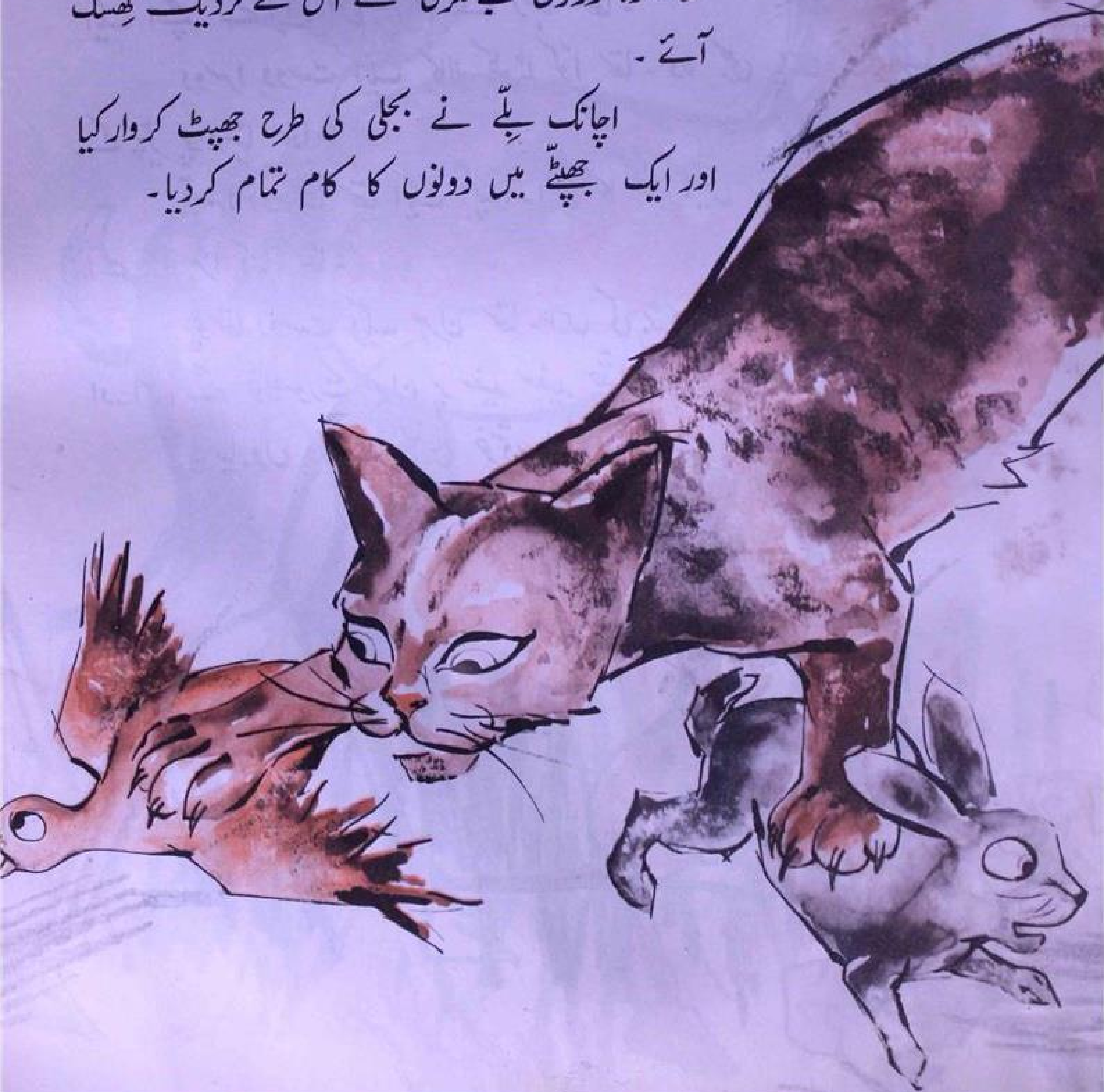
اس پر پہلے تو تیتر نے اپنی بات کہی۔ پھر خرگوش نے اپنا دعویٰ پیش کیا۔ دونوں کی بات سُن کر بِلاّ پہلے تو کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر بولا۔

"کیا بتاؤں بھائیو! میں بہت بوڑھا ہوچکا ہوں۔ مجھے نہ تو ٹھیک ٹھیک دِکھائی دیتا ہے اور نہ میں اچھی طرح سُن سکتا ہوں۔ میں تمہاری بات پورے

طور پر سمجھ ہی نہ سکا۔ تم دونوں ذرا نزدیک آکر بات کرو تو اچھا رہے گا۔"

اتنی دیر میں خرگوش اور تیتر کے دل سے بِلّے کا ڈر نکل گیا تھا۔ انہیں بِلّے پر پورا بھروسہ ہوگیا تھا۔ وہ دونوں بے فکری سے اس کے نزدیک کِھسک آئے۔

اچانک بِلّے نے بجلی کی طرح جھپٹ کر وار کیا اور ایک جھپٹّے میں دونوں کا کام تمام کردیا۔



چار دوست

ایک گھنے جنگل میں ایک جھیل تھی۔ جھیل کے کنارے کنارے چار دوست رہتے تھے۔ پہلا ایک چھوٹا سا بھورے رنگ کا چوہا تھا۔ یہ چوہا وہیں ایک اچھے سے بِل میں آرام سے رہتا تھا۔

دوسرا دوست ایک کالا کلوٹا کوّا تھا۔ وہ بھی پاس ہی ایک جامن کے پیڑ پر رہتا تھا۔

تیسرا دوست تھا ایک کچھوا۔ اس کا گھر جھیل کے اندر تھا اور وہیں اُسے بڑا مزا آتا تھا۔

چوتھا دوست ایک ہرن تھا۔ اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں تھیں اور اس کے خوبصورت بدن پر سفید سفید چتّیاں پڑی ہوئی تھیں۔

یہ چاروں دوست ہنسی خوشی مِل جُل کر رہتے تھے اور جنگل کے اس حصّے





میں وہ بغیر کسی پریشانی کے اطمینان سے زندگی گذارتے تھے۔

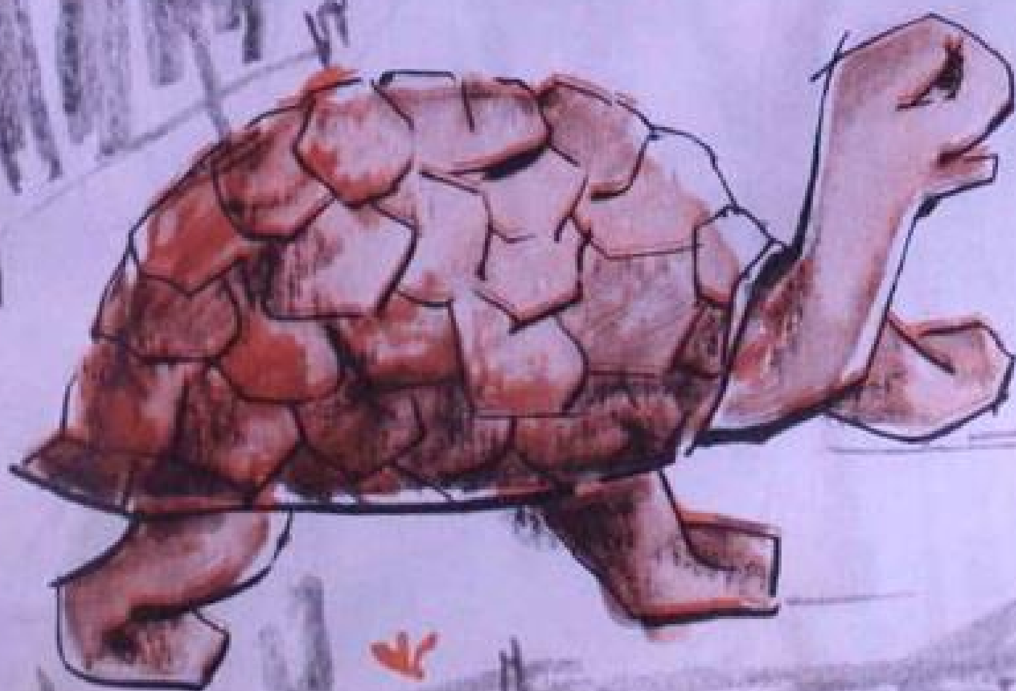
ایک روز شام کو چوہا، کوّا اور کچھوا، جھیل کے کنارے اپنے چوتھے دوست ہرن کا انتظار کر رہے تھے۔ بیٹھے بیٹھے گھنٹوں گذر گئے پر وہ ہرن واپس نہیں آیا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا دوست کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔" چوہے نے پریشان ہوکر کہا۔

"ہاں" کوّے نے کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ اسے بہیلئے نے پکڑلیا ہو اور پکڑ کر مار ہی نہ ڈالا ہو۔ بہیلئے کا کیا بھروسہ۔"

"ہمیں اپنے دوست کو ڈھونڈنا چاہیئے۔" کچھوے نے کہا۔ "بھائی کوّے تم اُڑ کر دیکھو، ہوسکتا ہے کہ کہیں نظر ہی آجائے۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں؟" کوّے نے کہا "میں ابھی جاتا ہوں۔"







یہ کہہ کر کوّا ہرن کی تلاش میں اُڑا - وہ اِدھر اُدھر، آگے پیچھے، دائیں بائیں، ہر جگہ اُڑا اور ہرن کو پکارتا بھی جاتا تھا - "بھائی ہرن ___ تم کہاں ہو - بھائی ہرن -"

ذرا سی دیر میں اسے ایک ہلکی سی آواز سنائی دی - یہ ہرن کی آواز تھی -

"بچاؤ ___ مجھے بچاؤ -" ہرن کہہ رہا تھا - "میں یہاں ہوں، یہاں -"

"اوہو تو تم یہاں ہو؟" کوّے نے کہا - "میں تو کتنی دیر سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں -"

کوّا اُتر کر نیچے آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ ہرن ایک جال میں پھنسا ہوا ہے -

"اوہو، تم تو جال میں پھنسے ہو" کوّے نے بڑے دردناک لہجے میں کہا "اب کیا کیا جائے - اچھا ٹھہرو، میں تمہاری مدد کے لئے دوستوں کو لے کر آتا ہوں -"

اپنے دوست کو دیکھ کر ہرن کی آنکھ میں آنسو بھر آئے - اس نے کہا

"بھائی جو ٹھیک سمجھو وہی کرو، مگر جو کچھ کرنا ہو جلدی کرو۔"

کوّا بڑی تیزی کے ساتھ اُڑتا ہوا جھیل کے پاس آیا۔ اسے دیکھتے ہی چوہا اور کچھوا دونوں ایک ساتھ بولنے لگے "کہو بھائی کہو" انہوں نے پوچھا "کیا ہمارا دوست مل گیا۔ کیا ہرن آگیا؟"

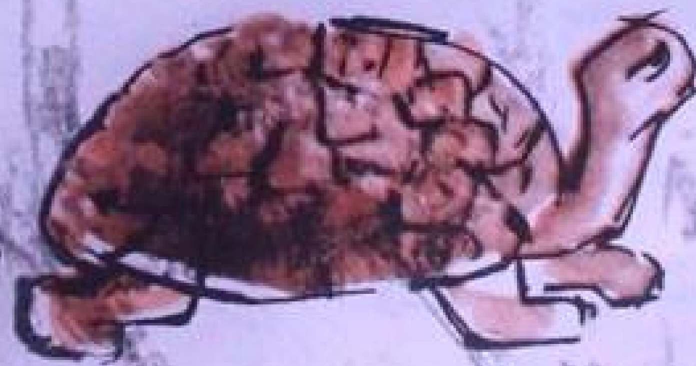
"ہاں دوستو، ہاں" کوّے نے کہا "مل تو گیا لیکن اس وقت وہ بڑے خطرے میں ہے۔"

کوّے نے ہرن کو ڈھونڈ نکالنے اور اس کے جال میں پھنسے ہونے کی ساری کہانی اپنے دوستوں کو سنائی۔

اس پر کچھوے نے فوراً ایک ترکیب سوچی اور اس نے کہا "فکر کی کوئی بات نہیں چوہا جال کاٹ کر ہرن کو چھڑا سکتا ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" چوہے نے کہا "لیکن میں اس کے پاس پہنچوں کیسے؟"

"یہ بھی کوئی بات ہے۔" کوّے نے کہا۔ "میں تمہیں اپنی پیٹھ پر لے کر چلوں گا۔"



"تو آؤ لے چلو۔" چوہے نے کہا اور اُچک کر کوّے کی پیٹھ پر بیٹھ گیا۔

چوہے کو لے کر کوّا اُڑا اور ذرا سی دیر میں ہرن کے پاس جا پہنچا۔ ہرن کے پاس پہنچتے ہی چوہا فوراً کوّے کی پیٹھ سے اُترا اور اپنے نکیلے دانتوں سے جال کاٹنے لگا۔ اس نے ذرا سی دیر میں ہرن کو جال سے نکال دیا۔ ہرن اُٹھ کھڑا ہوا۔ اسی وقت رینگتا ہوا ان کا چوتھا ساتھی کچھوا بھی وہاں آ پہنچا۔

"اہاہا" کچھوے کو دیکھ کر تینوں دوست بولے "تمہیں یہاں دیکھ کر ہمیں بڑی خوشی ہوئی۔"



کچھ دیر سب کے سب وہیں کھڑے ہرن کے بچ جانے کی باتیں کرتے رہے۔ اچانک کسی کے آنے کا کھٹکا ہوا تو چاروں چُپ ہوگئے۔ انھوں نے دیکھا کہ سامنے سے بہیلیا چلا آرہا ہے۔

بہیلیے کی نظر پڑتے ہی کوّا اُڑ کر ایک اونچے پیڑ کی ڈال پر جاکر بیٹھ گیا۔ چوہا ایک بِل میں گھُس گیا اور ہرن چوکڑی بھرتا ہوا پل بھر میں غائب ہوگیا۔ لیکن کچھوا بیچارہ کیا کرتا؟ وہ جیسے تیسے ایک جھاڑی کی طرف رینگنے لگا۔

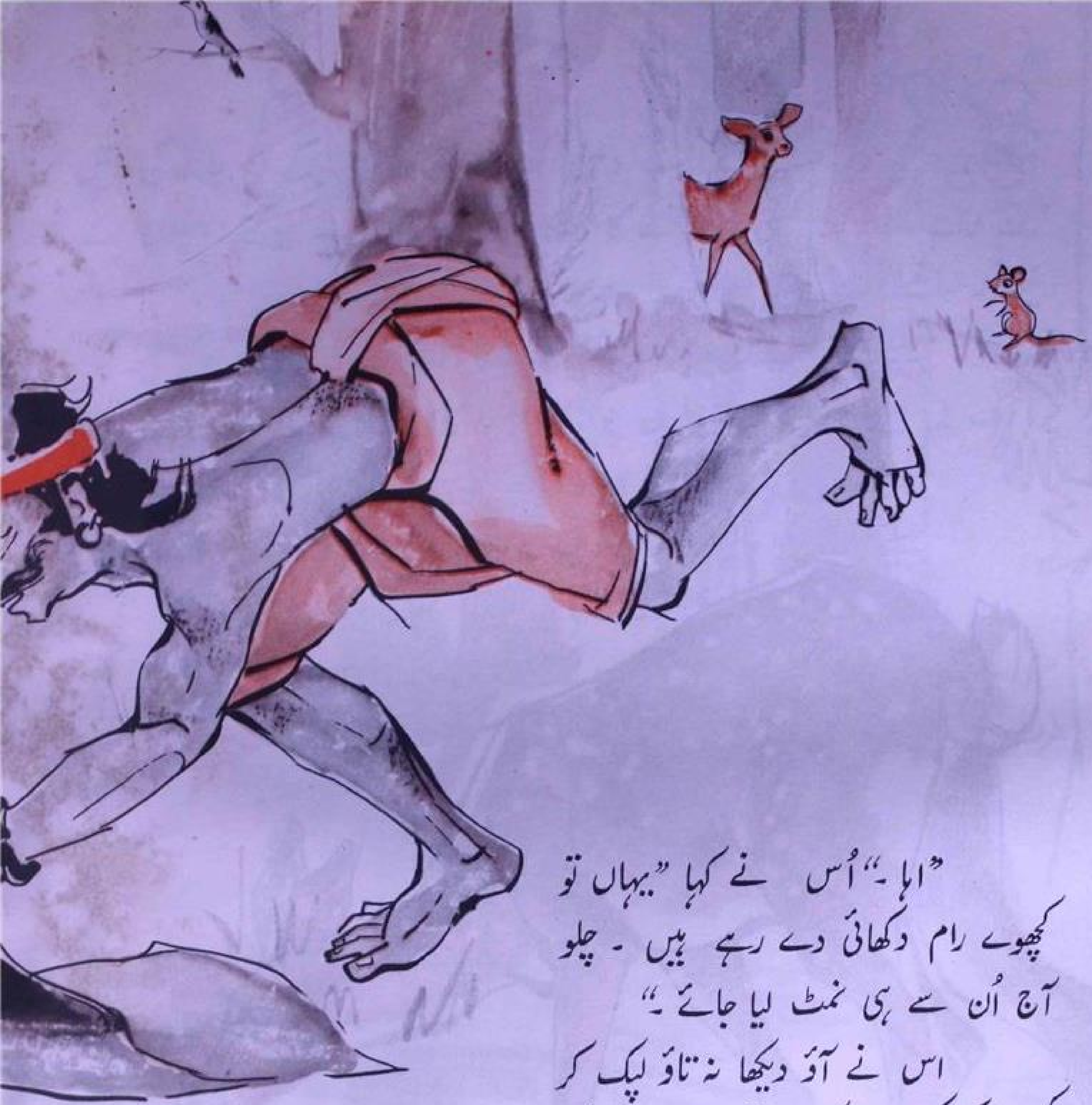
بہیلیے نے جو جال کو خالی دیکھا تو دنگ رہ گیا۔

"ارے یہ کیا" اس نے کہا "پھنسا پھنسایا ہرن بھاگ نکلا۔"

وہ حیران ہوکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اچانک اس کی نظر جھاڑی کی طرف رینگتے ہوئے کچھوے پر پڑی۔







"اہا۔" اُس نے کہا "یہاں تو
کچھوے رام دکھائی دے رہے ہیں۔ چلو
آج اُن سے ہی نمٹ لیا جائے۔"

اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ لپک کر
کچھوے کو پکڑا اور ایک تھیلے میں بند کرکے
گھر کی طرف چل دیا۔

پیڑ پر کوّا بیٹھا تھا۔ وہ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"اے چوہے بھائی ـــــ اے ہرن بھائی" اس نے اپنے دوستوں کو پکار
کر کہا۔ "جلدی آؤ ـــــ جلدی آؤ ـــــ ہمارا دوست کچھوا بڑی مصیبت میں پھنسا

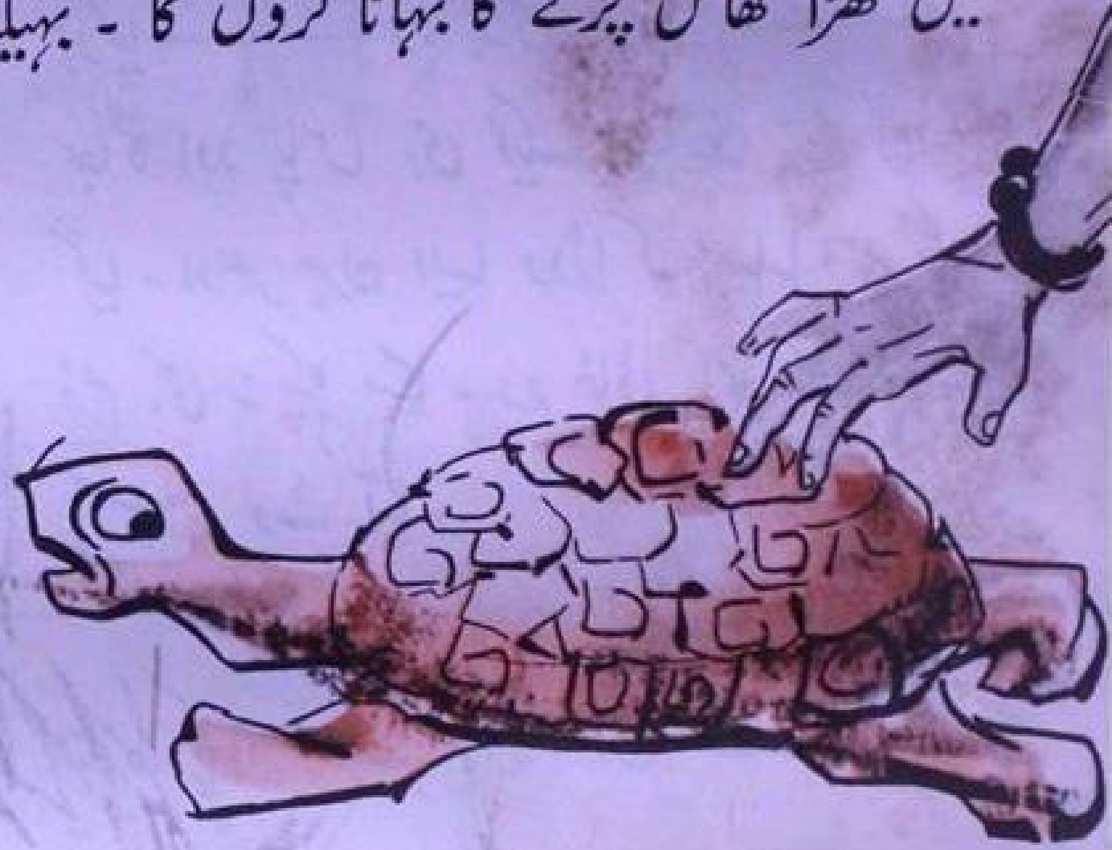
ہوا ہے۔"

چوہا اور ہرن فوراً بھاگے بھاگے کوّے کے پاس گئے۔ کوّے نے انہیں بتایا کہ بہیلیا کس طرح کچھوے کو تھیلے میں بند کرکے لے گیا ہے۔

"اب کیا ہو؟" کوے نے کہا "کچھوے کو کیسے آزاد کرایا جائے؟"

"جو کچھ بھی کرنا ہو" چوہے نے کہا "بہیلیے کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی کر ڈالنا چاہیئے۔"

ہرن نے کہا "میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ میں بہیلیے کے راستے میں کھڑا گھاس چرنے کا بہانا کروں گا۔ بہیلیا مجھے دیکھے گا تو تھیلا چھوڑ کر میرا



پیچھا کرنے لگے گا۔ اتنی دیر میں چوہا تھیلا کاٹ دے گا اور کچھوا آزاد ہوجائے گا۔"

"لیکن مان لو۔ کہیں اُس نے تمہیں پکڑ لیا تو؟" کوّے نے پوچھا۔

"ارے نہیں تم فکر مت کرو۔ میں اتنا تیز دوڑوں گا اتنا تیز دوڑوں گا کہ اسے اپنی نانی یاد آجائے گی۔"

ہرن بہیلیے کے راستے میں جاکر آرام سے کھڑا ہوگیا اور مزے میں گھاس چرنے لگا۔

"ہرن" اسے دیکھتے ہی بہیلیا چلّایا "کتنا موٹا تازہ ہرن ہے" اس نے تھیلا زمین پر رکھا اور ہرن کو پکڑنے دوڑا۔

اس وقت چوہا پھُرتی سے آیا اور تھیلا کاٹنے لگا۔ ذرا سی دیر میں کچھوا آزاد ہوگیا ——— وہ بڑی تیزی کے ساتھ بھاگا اور پاس ہی ایک جھاڑی میں چھپ گیا۔ ادھر ہرن ایسا دوڑا کہ بہیلیا اس کی دُم بھی نہ پکڑ سکا۔ وہ خالی ہاتھ تھیلے کے پاس لوٹ آیا۔

"ہرن ہاتھ نہ آیا تو کیا ہوا یہ موٹا تازہ کچھوا تو ہے ہی۔ آج کے کھانے کو تو یہی کافی ہے۔"

لیکن جب بہیلیے نے تھیلا اٹھایا





تو وہ خالی نکلا۔ وہ اتنا حیران ہوا کہ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔

"یہ کیا" وہ چیخا "کچھوا غائب ہے۔ اتنا سُست جانور کیسے بھاگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج میری قسمت خراب ہے۔ پہلے تو ہاتھ سے آیا ہوا ہرن جاتا رہا اور اب یہ رینگنے والا کچھوا بھی غائب ہوگیا۔ آج تو خالی پیٹ بھوکا ہی سونا پڑے گا۔"

کوّا، ہرن، چوہا اور کچھوا چھپے ہوئے بہیلیۓ کو دیکھ رہے تھے۔ جب وہ خالی تھیلا لے کر چلا گیا تو وہ سب اطمیناں سے باہر نکل آئے۔

اس طرح چاروں دوست مِل جُل کر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے برسوں تک مزے سے دن گذارتے رہے۔


1939